Fikr-o-Nasar (Islamabad) 21:2 (1983)

اسلام میں توہینِ عدالت کا تصوّر

پروفیسر انوار اللہ

اسلام میں قاضی، عدالت اور فیصلہ کی عزت اور وقار کا خاص خیال رکھا گیا ہے تاکہ عدالتی فیصلوں کا صحیح طریقے سے نفاذ ہو اور لوگوں کو سستا اور آسان انصاف میسر ہو۔ چنانچہ شریعت میں قاضی کے لئے بعض شروط کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ "اس میں قوت فیصلہ ہو تاکہ اس کی ہیبت اور قوت سے فریقین مقدمہ مطمئن ہوں"۔ عدالت کی مجلس کے لئے بھی قیود مقرر کی گئی ہیں تاکہ مجلس باقی مجالس سے ممتاز ہو، اور لوگ اس سے انصاف کی توقع رکھ سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصے کی حالت میں فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء کی سختی اور ہیبت اور اس کی فضیلت، اور درجات کو بھی واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجنا چاہا تو فرمایا کہ جب تم فریقین میں سے کسی ایک کا بیان سنو تو اس وقت تک فیصلہ مت کرو جب تک دوسرے فریق کا بیان نہ سنو۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ عدالت میں فریقین ایک جیسی حالت میں بیٹھیں، یعنی دونوں کے بیٹھنے کی جگہ میں کوئی فرق نہ ہو، اور قاضی فریقین کو مخاطب کرتے وقت کوئی فرق روا نہ رکھے اور دونوں فریقوں کو بیان کا یکساں موقع دینا چاہیئے!

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم ذیل میں قرآن و حدیث، فقہاء اور ائمہ کے اقوال و افعال سے توہین عدالت کی وضاحت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیت ہے ....

"فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما"۔

(پس قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے اور پھر وہ اپنے دلوں میں آپ کے فیصلے سے کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کریں)[۲]

مندرجہ بالا آیت کے شان نزول میں مفسرین اور محدثین نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ انصار کے ایک آدمی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ زمین کی سیرابی کے متعلق جھگڑا کیا اور مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش ہوا (چونکہ زبیر کا کھیت پہلے تھا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے زبیر پہلے تم اپنا کھیت سیراب کرو پھر پانی اس کے کھیت کے لئے چھوڑ دو۔ اس پر انصاری نے کہا کہ یہ فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے دیا کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا کہ

"اے زبیر تم اپنے کھیت کو سیراب کرو، اور پھر پانی بند رکھو یہاں تک کہ پانی دیوار تک پہنچ جائے۔[۳]"

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور مفسر علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

"واما ان طعن فی الحاکم نفسہ لا فی الحکم فلہ تعزیرہ"

(اور اگر کسی نے قاضی کے بارے میں برا بھلا کہا نہ کہ اس کے فیصلے کے بارے میں تو اس قاضی کو اسے تعزیری سزا دینے کا حق ہے)[۴]

علامہ ماوردی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ پانی بند رکھو یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ جائے تعزیر ہے۔

اس کے علاوہ ماوردی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقات تقسیم کر رہے تھے تو ایک آدمی نے کہا عدل کرو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ویلک اذا لم اعدل فمن یعدل"

(تمہیں بربادی ہو جب میں عدل نہیں کرتا تو کون عدل کرتا ہے) یہ بھی تعزیر ہے[5]۔

علامہ ماوردی نے اپنی کتاب ادب القاضی کی جلد اول میں عدالتوں کی عزت اور ہیبت اور اس کے تحفظ پہ ایک باب باندھا ہے۔ چنانچہ اس کے ماتحت لکھتے ہیں .....

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کے سامنے فریقین جھگڑنے لگ جائیں اور برا بھلا کہنے لگیں تو قاضی کو چاہیئے کہ ان کو منع کرے اور اگر وہ پھر بھی باز نہیں آتے تو ان کو ڈانٹے، اور اس پر بھی باز نہیں آتے تو ان کو قید کرے اور جتنی ان کے جھگڑنے کی نوعیت زیادہ اور سنگین ہو اتنی سزا زیادہ دے دے)

اسلامی شریعت میں عام حالات میں بھی گالی گلوچ اور توہین کی ممانعت کی گئی ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس کے لئے سزا بھی بیان کی گئی ہے۔ مثلاً ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی کسی کو کہے اے مخنث تو اسے بیس کوڑوں کی سزا دے جب عام حالت میں یہ حکم ہے تو پھر عدالت میں تو اس قسم کے فعل کا ارتکاب ضرور متوجب سزا ہونا چاہیئے۔

یہاں یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ تنقید اور توہین میں بڑا فرق ہے۔ تنقید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کی خامیاں بیان کر کے اس کی اصلاح کی جائے۔ لیکن توہین کے معنی کسی چیز کی اھانت، حقارت اور تذلیل کرنا ہے۔ چنانچہ تنقید اسلام میں جائز اور مستحسن ہے۔ لیکن توہین ممنوع اور ناجائز ہے۔ تنقید خود خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، اور تابعین پہ کی گئی ہے۔ اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر لوگ ہماری خرابیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی نہ کریں تو ہم کیسے ان کی اصلاح کریں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے قاضی ابن ابی لیلیٰ اور ان کے فیصلوں پہ نہایت علمی انداز میں سخت تنقید کی مگر قاضی صاحب نے ان کو برداشت کیا اور اکثر ان کو مستحسن قرار دے کر ان پہ عمل کیا۔ لیکن خطیب بغدادی کے مطابق جب ان تنقیدوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا تو قاضی ابن ابی لیلیٰ نے حکم دیا کہ امام صاحب شرعی

معاملات میں کسی قسم کی گفتگو نہ کریں یعنی فتویٰ وغیرہ نہ دیا کریں اس قانون کا نام قانون حجر تھا۔ بعد میں ولی عہد حکومت کی طرف سے چند سوالات کے جوابات کی ضرورت کے مدنظر امام صاحب پر عائد شدہ یہ پابندی ہٹا دی گئی۔[6]

یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہ عدالت کے وقار کی بلندی کے لیے حد حامی تھے چنانچہ قاضی ابو یوسف کے نام ایک وصیت نامہ میں لکھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

"وان اذنب ذنباً بینہ وبین الناس اقامۃ علیہ اقرب القضاۃ علیہ"

(مسلمانوں کا حکمران ایسے جرم کا اگر مرتکب ہو جس کا تعلق عام لوگوں سے ہو تو اس حکمران کو وہی قاضی سزا دے گا جو اس سے زیادہ قریب تر ہے)[7]

اسلام میں توہین کو نا پسند کیا گیا ہے اور خاص کر عدالت کے بارے میں اس میں انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ عدالت کے وقار کا اسلام میں خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور خود خلفاء راشدین نے اس کا عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کسی چیز پر جھگڑے اور دونوں زید بن ثابت کے پاس فیصلہ کے لیے آئے، تو زید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تکریم و تعظیم کرنا چاہی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔[8]

عدالت اور قاضی کے تقدس اور وقار کی ایک اور مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح کی ہے جو امام سرخسی نے ان الفاظ میں بیان کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔

"حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ کے غلام قنبر کے ہمراہ قاضی شریح کی عدالت میں ایک زرہ کے سلسلے میں گواہی دی۔ قاضی شریح نے حضرت امام حسن کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے ان کی جگہ دوسرا گواہ لانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے حسن و حسین کے بارے میں فرمایا کہ یہ جنتی

جوانوں کے سردار ہیں۔ قاضی شریح نے کہا بلا شبہ میں نے سنا ہے، اس کا تعلق اخروی فضیلت سے ہے شہادت کا مسئلہ دنیا سے تعلق رکھتا ہے لہذا آپ اور گواہ لائیں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دوسرا گواہ نہ تھا۔ اس لئے قاضی شریح نے آپ کے حق میں فیصلہ نہ دیا) حضرت علیؓ چونکہ سربراہ مملکت تھے اس لئے انہوں نے قاضی شریح کو منصب قضا سے معزول کر دیا۔ بعد میں نہ صرف انہیں دوبارہ قاضی بنا کر ان کے ایک سو ماہانہ وظیفے میں مزید چار سو کا اضافہ کر دیا، بلکہ آپ نے اس مسئلہ پہ قاضی شریح علیہ الرحمۃ کے مؤقف کی طرف رجوع کر کے ان سے اتفاق کیا۔[9]

بطور مثال تاریخ اسلام کا ایک اور فقید المثال واقعہ بھی پیش کیا جاتا ہے جسے علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اسرار و رموز میں نقل فرمایا ہے ......

"سلطان مراد تے جو ایک بادشاہ تھا ایک معمار کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ معمار نے اس کے مقرر کردہ ایک قاضی صاحب کی عدالت میں بادشاہ موصوف کے خلاف قصاص کا دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے بادشاہ کو عدالت میں طلب کر کے دعویٰ کی سماعت فرمائی۔ بادشاہ کا قصور ثابت ہو گیا تو قاضی صاحب نے قصاص کا حکم صادر فرما دیا۔ یعنی معمار کے ہاتھ کے بدلے میں بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ آخر بادشاہ نے مجبور ہو کر اپنا ہاتھ آگے کر کے قاضی صاحب سے کہا کہ لیجیے حضور یہ میرا ہاتھ حاضر ہے۔ قصاص میں اس کو کاٹ دیجئے۔ آپ کے شرعی فیصلے کے آگے میرا سر نیاز خم ہے۔ اس پہ مدعی معمار کو ترس آگیا اور اس نے کہا۔

گفت از بہر خدا بخشیدمش

از برائے مصطفیٰ بخشیدمش

کہ میں نے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بادشاہ کو قصاص معاف کر دیا۔[10]

ابن عربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے ......

"کل من لم یرض بحکم الحاکم بعدہ فھو عاص واثم"

(جو کسی قاضی کے فیصلے کے بعد اس پر ناراض ہو تو وہ گنہگار اور نافرمان ہے)"۱۱

علامہ ماوردی نے ادب القاضی میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی ایک دفعہ کسی مقدمے میں اپنے مخالف فریق کے ساتھ بصرہ کے قاضی عبداللہ بن حسن عنبری کی عدالت میں پیش ہوئے اور مخالف فریق کے ساتھ یکساں طور پر عدالت میں بیٹھے رہے جب مقدمہ ختم ہوا اور فیصلہ ہو چکا تو قاضی صاحب اٹھ کر مہدی کے سامنے آ کر کھڑے ہوئے تو مہدی نے کہا کہ اگر تم اس وقت کھڑے ہوتے جب میں عدالت میں آیا تھا تو میں تمہیں معزول کر دیتا۔ ۱۲

علامہ محمد شہیر ارسلان نے اپنی کتاب القضا والقضاۃ میں لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ واسطہ کے قاضی ابوالموفق سیف بن جابو نے ایک شخص کو توہین عدالت کے جرم میں قید کر دیا، کیونکہ اس نے قاضی کو کمرۂ عدالت میں گالی دی تھی۔ اگرچہ اس وقت کے ایک عالم سلیمان ابن ابی شیخ نے اس وقت کہا تھا کہ قید سے کم تعزیر دینی چاہیے تھی یا کم از کم عدالت سے باہر نکلوا دینا ہی کافی تھا۔ بہر حال جرم قابل تعزیر سمجھا گیا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز عامر نے اپنی کتاب التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ میں فتاوی القرویہ سے نقل کیا۔

خصمان تشاتما عند القاضی حبسھما وعزرھما اقامۃ لحرمۃ المجلس

(اگر فریقین قاضی کے سامنے عدالت میں گالی گلوچ کریں تو وہ ان کو قید کرے یا اور کوئی تعزیری سزا دے تاکہ مجلس عدالت کی حرمت برقرار رہے)

نیز واقعات المفتین سے نقل کر کے لکھتے ہیں ....

"خصمان تشاجا بین یدی القاضی فلم ینتھیا فالأمر الی القاضی یحبسھما او یعزرھما وان عفا فحسن۔"

(اگر فریقین قاضی کے سامنے جھگڑنے لگیں اور باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ قاضی کی صوابدید پہ ہے کہ ان کو قید کرے یا اور کوئی تعزیری سزا دے اور اگر معاف کرے تو بھی اچھا ہے)۱۳

خود ڈاکٹر عبدالعزیز نے اس کی وجہ یوں لکھی ہے۔

حفظاً لکرامۃ مجلس القضاء

(تاکہ مجلس عدالت کی حرمت محفوظ رہے)

اسلامی عدالتوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ قاضیوں نے فریقین یا لوگوں کی توہین آمیز حرکات پر خاموشی اختیار کی اور مرتکبین کو کوئی سزا نہیں دی۔ لیکن ایسا عام نہیں ہوا۔ بلکہ جن قاضیوں نے ایسا کیا وہ یا تو اور کئی طریقوں سے متہم تھے۔ یا وہ طبیعتہً عفو اور درگزر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قاضی وکیع نے اپنی کتاب اخبار القضاۃ میں قاضی معاذ بن معاذ کے بارے میں کئی واقعات نقل کئے ہیں کہ لوگوں نے ان کی اور ان کے فیصلوں کی توہین کی لیکن انہوں نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور خاموشی اختیار کی، چنانچہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی عورت جس کے بیٹے کو انہوں نے قید کی سزا دی تھی ان کے پاس آئی اور ان کو گالیاں دینے لگی لیکن معاذؒ نے کچھ نہیں کہا۔ اس عورت نے ان کی بنیادی کمزوری کو بھی بیان کیا کہ معاذ اپنے دو مشیروں کے مشورے پر ہی فیصلہ کرتا ہے اور خود کچھ نہیں کرتا اور نہ معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ان کے دوبارہ قاضی ہونے کے خلاف تھے اور معتزلہ نے تو ان کے دوبارہ قاضی ہونے پر احتجاج بھی کیا تھا۔[۱۴]

ابن قدامہ نے قاضی کے بارے میں لکھا ہے .....

وله ان ينتهر الخصم اذا التوى ويصيح عليه وان استحق التعزير عزره بما يرى من ادب او حبس وان افتات عليه بان يقول حكمت على بغير الحق او ارتشيت فله تاديبه وله ان يعفو وان بدأ المنكر باليمين قطعها عليه وقال البينة على خصمك فان عاد عزره ان رأى"

(اور قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فریق کو ڈانٹے اگر وہ اس کے ساتھ نامناسب طریقے سے باتیں کرتا ہو یا اونچی آواز سے بول رہا ہو۔ اور اگر وہ اس ضمن میں تعزیر کا مستحق ہو جائے تو وہ اس کو تادیبی

یا قید کی سزا دے دے اگر وہ اس پر الزام لگائے اور کہے کہ تم نے میرا فیصلہ ناحق طریقے سے کیا ہے یا کہے کہ تم نے رشوت لی ہے، تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھے تو اس کو تعزیر (تادیب) کی سزا دیدے اور اگر مناسب سمجھے تو اس کو معاف کر دے اور اگر منکر (مدعیٰ علیہ) پہلے قسم اٹھانے لگے تو قاضی اس کو منع کرے اور روکے اور اس سے کہے کہ تیرے مقابل (مدعی) پر پہلے ثبوت ضروری ہے، اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اگر قاضی مناسب سمجھے تو اس کو تعزیری سزا دے دے۔[۱۵]

امام سرخسی نے مبسوط میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے قاضی شریح کی عدالت میں اپنی بیوی کی وراثت کا ایک مقدمہ دائر کیا آپ نے شریعت کے مطابق اس کے حصے کا فیصلہ صادر فرمایا لیکن وہ ناحق طور پر زیادہ کا ہی خواہشمند تھا۔ اس نے عدالت سے باہر جانے کے بعد کچھ لوگوں کے سامنے قاضی صاحب کے اس فیصلے پر تنقید کی، اور قاضی صاحب کو برا بھلا کہا، جس کی آپ کو اطلاع پہنچی۔ آپ نے اسے یہ کہہ کر اپنے قاصد کے ذریعہ واپس بلوایا کہ تمہارے مقدمہ سے متعلقہ کچھ ضروری کارروائی باقی رہتی ہے۔ اسے آکر وصول کرو جب وہ واپس حاضر ہوا تو آپ نے اسے سزا دی اور فرمایا۔۔۔۔۔

"انت تشنع علی القاضی و تنسب القاضی بالحق الی الفاحشة"

(یعنی تم قاضی اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور اس کے فیصلہ برحق کو غلط ٹھہراتے پھر رہے ہو)

اس کے بعد فرمایا۔۔۔۔۔۔۔۔

"ما اخوفنی هذا القضاء لولا انه سبقنی به امام عادل ورع یعنی عمر بن الخطاب"

(یعنی حضرت عمر جیسے امام عادل اور متقی نے اگر مجھ سے پہلے قضا کے منصب کو قبول نہ کیا ہوتا تو میرے نزدیک اس منصب سے بڑھ کر کوئی خوفناک چیز نہ تھی۔) (لہذا اس منصب کو قبول نہ کرتا)[۱۶]

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں مجلس عدالت کے بارے میں لکھا ہے کہ قاضی کے پاس مجلس

قضاء میں ایک سپاہی کھڑا ہونا چاہیئے اور اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا ہونا چاہیئے تاکہ اس سے منافق کو ادب سکھائے اور مومن کو ڈرائے۔ اور روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایک کوڑا ہوتا تھا جس سے وہ منافق کو ادب سکھاتے تھے اور مومن کو ڈراتے تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی اس غرض کے لئے کوڑا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ قاضی کے پاس عدالت میں کچھ مددگار ہونے چاہئیں جو طرفین کو اس کے سامنے حاضر کریں اور اس کے سامنے اس کی جلالت کے لئے کھڑے رہیں تاکہ اس مجلس کا رعب قائم ہو۔[۱۷]

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اسلام میں قاضی، عدالت اور عدالتی فیصلوں کی توہین ایک قابل سزا جرم ہے۔ جس کے ارتکاب پر مناسب سزا دینی چاہیئے۔

حوالہ جات

۱۔ بدائع الصنائع۔ علامہ کاسانی جلد ۷، ص ۹

۲۔ قرآن مجید، ۶۵، ۴

۳۔ بخاری، کتاب المساقاۃ، جلد اول، ص ۱۵۶

۴۔ الجامع لاحکام القرآن قرطبی ج ۵، ص ۲۶۷

۵۔ ادب القاضی، جلد اول، ص ۲۵۳، ۲۵۴

۶۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، علامہ مناظر احسن گیلانی، ص ۲۵۴

۷۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، علامہ مناظر احسن گیلانی، ص ۲۴۸، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی۔

۸۔ المبسوط سرخسی، ج ۱۶، ص ۳۷

۹۔ المبسوط۔ جلد ۱۶، ص ۱۲۲

۱۰۔ کلیات اقبال فارسی ص ۱۰۸، اسرار و رموز ص ۱۰۸

۱۱۔ احکام القرآن ابن عربی جلد اول ص ۴۵۶

۱۲۔ ادب القاضی جلد اول، ص ۲۴۸، ۲۴۹

۱۳۔ التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ عبد العزیز عامر ص ۲۷۳۔

۱۴۔ اخبار القضاۃ قاضی وکیع جلد دوئم، ص ۱۴۹، ۱۴۸

۱۵۔ المغنی ابن قدامہ۔ جلد ۹، ص ۴۳، ۴۴

۱۶۔ المبسوط، جلد ۲۹، ص ۱۶۴

۱۷۔ بدائع الصنائع علامہ کاسانی جلد ۷، ص ۱۲۔